تحقیق و تنقید

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی

مراسلات (۲)

متعلقہ

روح، مقام قبر اور سماعِ موتیٰ

محدث جون ۱۹۸۴ میں "مراسلات" کے عنوان سے میرا جو مضمون شائع ہوا تھا، اس سے متعلق دو حضرات کی طرف سے خطوط موصول ہوئے۔ ان میں ایک تو وہی پرانے کرمفرما جناب سومرو صاحب ہیں اور دوسرے اشفاق صاحب ناظم آباد کراچی سے تعلق رکھتے ہیں۔

جناب سومرو صاحب نے کیپٹن مسعود الدین عثمانی صاحب کا پورا لٹریچر بھی مجھے مطالعہ کے لیے بھیج دیا ہے اور استدعا کی ہے کہ میں اس کے مطالعہ کے بعد اپنی رائے سے آگاہ کروں۔ عثمانی صاحب کا لٹریچر تو میں پہلے بھی سرسری نظر سے دیکھ چکا تھا۔ اب نظرِ ثانی کا موقع مل گیا۔ جبکہ اشفاق صاحب کا خط خاصا طویل ہے۔ اسے خط کے بجائے عتاب نامہ کہنا ہی زیادہ مناسب ہو گا۔ یہ حضرت عثمانی صاحب کے نہایت شیدائی اور ان کے مخصوص نظریات میں عثمانی صاحب سے بھی زیادہ سخت معلوم ہوتے ہیں۔ خط کا لب ولہجہ نہایت تند و تیز ہے۔ ہر وہ محدث، امام یا عالمِ حدیث جو انھیں اپنے مخصوص نظریات کے خلاف نظر آیا، کھلے دل سے اور تھوک کے حساب سے انہیں بدعقیدہ، گمراہ اور کافر و مشرک قرار دے دیا ہے۔

علمی مسائل کی تحقیق میں یہ انداز قطعاً غیر مناسب ہے۔ کسی مسئلہ میں اختلاف

ہو جانا ایک فطری امر ہے، لیکن جب اس میں اس قسم کا تشدد تعصب پیدا ہو جائے تو یہی چیز امت میں اختلاف اور تفرقہ بازی کی بنیاد بن جاتی ہے، جسے قرآن نے شرک کے مترادف قرار دیا ہے۔ اشفاق صاحب کو اس بات کا ضرور خیال رکھنا چاہیے کہ جس جرم کی پاداش میں وہ دوسروں کو کافر و مشرک قرار دے رہے ہیں، خود کہیں اس سے بڑے جرم کا ارتکاب تو نہیں کر رہے ہیں؟ بالخصوص اس صورت میں جبکہ رسول اللہ کا یہ واضح ارشاد موجود ہے کہ اگر کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو کافر کہتا ہے، تو اگر وہ کافر نہیں تو کہنے والا ضرور کافر ہو جاتا ہے۔ لہٰذا تکفیر بازی سے حتی الوسع پرہیز لازم ہے۔

اب قرآن کا اندازِ بیان ملاحظہ فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں اور عیسائیوں کا کھلا ہوا شرک ——— حضرت عزیرؑ کو ابن اللہ کہنا اور عیسائیوں کا تین خداؤں کا عقیدہ رکھنا ——— بیان کرنے کے باوجود انہیں مشرک نہیں کہا بلکہ اکثر مقامات پر اہلِ کتاب ہی کہا ہے۔ لہٰذا میں اشفاق صاحب کی بجائے عثمانی صاحب سے گزارش کروں گا کہ وہ اپنے متبعین کو ہدایت کریں کہ علمی مسائل کی تحقیق میں فروتر باتوں پر اتر آنے کے بجائے علمی انداز ہی اختیار کیا کریں۔

اشفاق صاحب کے اس طویل خط میں تمام کے تمام اقتباسات عثمانی صاحب کے لٹریچر ہی سے دیے گئے ہیں۔ لہٰذا ہم اس خط کو بعینہٖ چھاپ دینا مناسب سمجھتے ہیں۔ اس سے جہاں ایک طرف قارئین کو عثمانی صاحب کے لٹریچر کا خلاصہ معلوم ہو جائے گا۔ وہاں یہ بھی معلوم ہو گا کہ یہ حضرات ان نظریات کے مخالفین کے لیے کیسی زبان استعمال کرتے ہیں۔ یہ خط بجنسہٖ درج ذیل ہے:

مکرمی و محترمی مولانا عبدالرحمٰن کیلانی صاحب السلام علیکم۔

محدث جون ۱۹۸۴ء کے شمارے میں مراسلات کے عنوان سے آپ نے روح، عذابِ قبر اور سماعِ موتیٰ سے متعلق جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے، اس میں چند باتیں میرے فہم سے بالاتر ہیں۔ امید ہے کہ آپ اگلی اشاعت میں میرے ان اشکالات کا واضح جواب شائع فرمائیں گے ——— مشکور ہوں گا۔

۱۔ دوسرے گمراہ لوگوں کی طرح آپ نے بھی قبر سے مراد یہی گڑھا لیا ہے جو صحیح

نہیں۔ دراصل ہر مرنے والے کو قرآن کے فرمان کے مطابق (ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ) قبر ملتی ہے۔ چاہے اس کو مچھلیاں ہی ہڑپ کر گئی ہوں۔ یہی اصل قبر ہے جہاں روح کو دوسرے برزخی جسم میں ڈال کر قیامت تک رکھا جائے گا۔ اور اس پر راحت یا عذاب کا پورا زمانہ گزرے گا۔

بخاری جلد ۲ ص ۶۶۵ میں یہ روایت موجود ہے کہ نبیؐ نے فرمایا کہ میں نے عمرو ابن الحی الخزاعی کو دیکھا کہ وہ اپنی آنتوں کو کھینچ رہا تھا۔ اسی طرح بخاری ج ا ص ۱۸۵ میں سمرہ بن جندبؓ کی طویل روایت موجود ہے، جس سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ روحوں کو جسم برزخی ملتا ہے اور روح اور اس برزخی جسم کے مجموعے پر راحت و عذاب ہوتا رہے گا۔ یہ عذاب کا سلسلہ تا قیامت چلے گا۔ یہ برزخی جسم ایسا ہے کہ اگر اس کو نقصان پہنچایا جائے تو یہ پھر بن جاتا ہے۔ دنیا میں زنا کاروں کی قبریں مختلف ملکوں میں ہوتی ہیں مگر برزخ میں ان کو ایک ہی تنور میں برہنہ حالت میں جمع کر کے آگ کا عذاب دیا جاتا ہے، اسی طرح بخاری جلد ا ص ۱۸۴ پر براء بن عازبؓ سے روایت موجود ہے کہ جب ابراہیمؑ کی وفات ہوئی تو رسولؐ نے فرمایا: کہ ان کے لیے جنت میں ایک دودھ پلانے والی ہے۔ اسی طرح شہداء کے لیے مسلم جلد ۲ ص ۱۳۵ میں روایت عبداللہ بن مسعودؓ سے آئی ہے کہ رسولؐ نے ارشاد فرمایا کہ شہداء کی روحیں سبز اڑنے والے قالبوں میں ہیں۔ اور ان کے لیے قندیلیں عرشِ الٰہی سے لٹکی ہوئی ہیں۔ ان تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شہداء، عام مومن، کافر، مشرک سب ہی کو ایک برزخی جسم ملا ہے اور وہی اس کے لیے برزخی قبر ہے۔ عذاب اور ثواب کا سارا معاملہ اسی برزخی جسم کے ساتھ ہوتا ہے نہ کہ یہ گڑھا جس کو غلطی سے آپ نے بھی قبر کا نام دے دیا ہے اور نہ اس عنصری جسم کو عذاب اور ثواب سے کوئی تعلق۔

آپ نے اس گڑھے کو قبر ثابت کرنے کے لیے جو چند احادیث تحریر فرمائی ہیں ان کا جواب یہ ہے:

قبروں پر ٹہنیاں لگانے سے متعلق بخاری کی جو روایت نقل فرمائی ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ جس طرح ایک لیکچر دینے والا اپنی زبان سے ایک مسئلہ بیان کرتا ہے اور

تختہ سیاہ پر اس کو لکھتا بھی جاتا ہے تاکہ کان سن کر اور آنکھیں دیکھ کر خوب یاد رکھیں۔ اسی لیے آپؐ نے شاخیں لگا کر برزخی عذاب سمجھا دیا۔ رہا یہ سوال کہ یہ شاخیں دنیاوی قبروں پر کیوں لگائیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ برزخ میں صحابہ کرامؓ کو لے جا کر ان کی اصلی قبروں پر لگانا ناممکن تھا۔ دراصل یہ بتانا تھا کہ ان قبروں میں جو مُردے دفن کیے گئے تھے ان پر برزخ میں یہ حالات گزر رہے ہیں۔ یہ نبیؐ کا معجزہ تھا۔ اس حدیث کی آپ نے من مانی تشریح کر کے یہ بات نکال لی کہ انہی دنیاوی قبروں میں دنیاوی جسموں پر عذاب ہو رہا تھا۔ یہ بڑی گستاخی ہے اور نبیؐ پر کتاب اللہ کے جھٹلانے کا غلط الزام ہے۔

نبیؐ کو کتاب اللہ کی تشریح اور تائید کے لیے بھیجا گیا تھا جھٹلانے کے لیے تو نہیں۔

اسی طرح بعض لوگ مسلمؒ کی ایک روایت پیش کرتے ہیں جس میں قبروں کے پاس سے گزرتے ہوئے نبیؐ کا خچر بدکا۔ اور اس سے یہ دلیل نکالی جاتی ہے کہ مشرکوں پر ان ہی دُنیاوی قبروں میں عذاب ہو رہا ہے جس کی چیخ و پکار کو سُن کر خچر بدکا۔ خدارا سوچیے، کتنے خچر، گھوڑے، گدھے آج بھی قبرستانوں میں گھومتے رہتے ہیں، ایک بھی نہیں بدکا۔ دراصل یہ نبیؐ کا معجزہ تھا۔ اور اس خاص واقعہ کے ذریعے نبیؐ نے کفار پر برزخی عذاب، جو اُن کو برزخی قبر اور برزخی جسم میں دیا جا رہا تھا، صحابہ کرامؓ کے ذہنوں میں محفوظ فرما دیا۔ مسلم کی ایک روایت جو جلد ۱ صـ ۳۰۹ پر موجود ہے جس میں نبیؐ نے قبر پر نماز ادا فرمائی۔ بخاری کے حوالے سے آپ نے جس کو ان ہی دنیاوی قبروں کے لیے دلیل بنایا۔ آخر میں یہ الفاظ ہیں۔ یہ قبریں اپنے اہل پر اندھیروں سے بھری رہتی ہیں۔ میری دُعا سے اللہ تعالیٰ انہیں منور کر دیتا ہے۔ اگر اس روایت سے، جیسا کہ آپ نے سمجھا ہے اور دُوسروں کو سمجھانے کی کوشش فرمائی ہے، دنیاوی قبر مراد لی جائے تو ایک ایک قبر میں بے حساب مُردے دفن ہوتے ہیں۔ کوئی اچھا کوئی بُرا ہر ایک کو اس نور سے فائدہ پہنچے گا۔ اس کے بجائے اصل سچائی یعنی برزخ کی قبر مان لیا جائے تو پھر کوئی مسئلہ ہی نہیں پیدا ہوتا۔

اس گڑھے کو قبر اور اس میں سوال جواب کے مسئلے کو ثابت کرنے کے لیے

مسلم کے حوالے سے عمرو بن عاصؓ کی مرتے وقت وصیت پیش کی جاتی ہے۔ اول تو مسلم کی اس روایت پر امام نوویؒ نے جرح کی ہے کہ اس کی سند اور اس کے متن میں کلام کیا گیا ہے۔ دیکھیے شرح مسلم نووی ج ا ص ۷۶۔ مزید یہ کہ اس کے راوی ابو عاصم ضحاک ابن مخلد کو عقیلی کتاب الضعفاء میں لائے ہیں۔ دیکھیے الضعفاء للعقیلی ص ۱۷۱۔ میزان اعتدال جلد ۲ ص ۳۲۵

دوسرے یہ کہ یہ سکرات الموت کی بات ہے، جیساکہ حدیث میں ہے "وہو فی سیاق الموت" ایسے وقت کی بات ہے جب آدمی اپنے آپے میں نہ ہو۔

قرآن اور حدیث کو کیسے جھٹلایا جا سکتا ہے۔ آخر لوگ واقعہ قرطاس کو کیوں بھول جاتے ہیں؟ بخاری کی روایت کے مطابق حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ آپؐ پر مرض کی شدت کی وجہ سے بحرانی کیفیت طاری ہے۔ اسی کے زیر اثر آپؐ یہ فرما رہے ہیں، اس لیے لکھوانے کی ضرورت نہیں۔ اسی ذیل میں لوگ بریدہ اسلمیؓ کی وصیت پیش کرتے ہیں جو بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۸۱ پر موجود ہے۔ یہ بھی ان کی وصیت ہے۔ جس کا کیا اعتبار؟ جیسے آپ نے ماحصل کے ذیل ۵ صفحہ ۲۱۶ میں تحریر فرمایا ہے کہ "مرنے کے ساتھ ہی فرشتے مُردے کی رُوح کو آسمانوں کی طرف لے جاتے ہیں، پھر اس وقت واپس لاتے ہیں جب مُردہ قبر میں دفن ہو چکتا ہے۔ اس وقت اس سے سوال اور جواب ہوتے ہیں اور وہ جانے والے آدمیوں کے جوتوں کی چاپ بھی سنتا ہے اور یہ سب اضطراری امور ہیں۔ ان میں استثناء یہ ہے کہ جن لوگوں کو قبر نصیب نہ ہو ان پر یہ واردات صرف رُوح پر ہی واقع ہوتے ہیں،" گویا کہ آپ بھی ردِ رُوح والی روایتوں کے قائل معلوم ہوتے ہیں۔ حالانکہ یہ روایتیں سنداً ضعیف اور نص قرآنی کا انکار کرتی ہیں۔ کیونکہ قرآن کہتا ہے اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَاءٍ آپ کے عقیدے کے مطابق مُردہ کے دفن ہوتے ہی رُوح واپس آجاتی ہے۔ گویا مُردہ مُردہ نہ رہا۔ قبر میں پھر زندہ ہو گیا جو قرآن کے خلاف ہے۔ پھر یہ رُوح آخر دوبارہ واپس گئی بھی یا نہیں؟ اگر آسمانوں میں اُوپر واپس چلی گئی تو اس کے لیے آپ کے پاس حدیث کی کونسی دلیل ہے؟ دراصل یہ فتنہ نیا فتنہ نہیں بلکہ اس کے بانی مبانی احمد بن حنبل ہیں جو ردِ رُوح کے قائل ہیں۔ جیساکہ کتاب الصلوٰۃ

ص۳۵ طبع قاہرہ میں تحریر ہے:

"پھر ارواح کے قبروں میں جسموں کے طرف لوٹائے جانے پر ایمان لانا ضروری ہے۔"

ان الفاظ کو پڑھیے اور احمد بن حنبل کی بدعقیدگی پر سر دھنیے۔ اب بتائیے کون شخص احمد بن حنبل کو مسلمان سمجھ سکتا ہے کیونکہ امام احمد بن حنبل نے ہی اس بدعقیدگی کو معاشرہ میں رائج کیا اور امتِ مسلمہ آج تک جس کی سزا بھگت رہی ہے۔ قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ مرنے کے بعد صرف قیامت کے دن ہی انسان زندہ ہوگا۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُبْعَثُوْنَ۔ سورۃ المومنون ۱۵، ۱۶ اسی طرح سورۃ البقرۃ ۲۸

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝

اسی طرح سورۃ المومن پ۲۴ ع۱۱ میں ہے۔ قَالُوْا رَبَّنَا اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝

محترم سوچیئے دو زندگیوں اور دو موتوں کے بعد تیسری زندگی اور تیسری موت کہاں سے آئی؟ آپ نے تو قبر میں رُوح پلٹا کر ایک تیسری زندگی کا جواز نکال دیا۔ جو کھلا قرآن کا انکار ہے۔

اس تضاد کو دُور کرنے کا واحد حل یہی ہے کہ مان لیا جائے کہ ہر رُوح کو ایک برزخی جسم ملتا ہے اور وُہی اس کی برزخی قبر ہوتی ہے۔ عذاب و ثواب کے تمام احوال اسی پر گزرتے ہیں۔ سوال و جواب بھی برزخی جسم اور برزخی قبر کے اندر ہوتا ہے۔

مکرمی آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ وُہ جانے والے آدمیوں کے جوتوں کی چاپ بھی سنتا ہے۔ یہ بھی صحیح نہیں۔ دراصل یہ چاپ آدمیوں کی نہیں بلکہ فرشتوں کی ہوتی ہے جیسا کہ بخاری کے شارح ابن المنیر کی شرح ہے جس کو ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں لائے ہیں۔ جس کا مفہوم یہ ہے:

ابن حجر عسقلانی نے کہا کہ بخاری کے اس باب باندھنے کہ (المیت یسمع قرع النعال۔ یعنی مردہ جوتوں کی چاپ سنتا ہے) کے متعلق الزین بن المنیر نے کہا کہ مصنف (بخاری) کے اس مضمون کے باب باندھنے سے اُن کی مراد یہ ہے کہ اس طریقہ کو آداب دفن میں اولیت حاصل ہے۔ کہ وقار برقرار رکھا جائے۔ شور و شر سے اجتناب کیا جائے۔ اور شدت کے ساتھ پیروں کو نہ مارا جائے۔ جیسے کہ ایک زندہ سونے والے کے لیے ہونا چاہیے اور ایسا لگتا ہے کہ بخاری نے (نبیؐ کے الفاظ سے) یہ نکالا ہے کہ آدمیوں سے جیسا کچھ سنا جاتا ہے ویسا ہی فرشتوں سے بھی سنا جاتا ہے۔ (یعنی اُن کے جوتوں کی آواز)

شاید آپ کا دوسروں کی طرح یہ عقیدہ بھی ہے کہ رُوحیں علیین اور سجین میں رکھی جاتی ہیں۔ یہ بات بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ علیین اور سجین روحوں کے رہنے کی جگہ نہیں بلکہ نیکوں کاروں اور بد کاروں کے اعمالناموں کے دفتر ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، وَمَا اَدْرٰکَ مَا سِجِّیْنٌ ہ کِتَابٌ مَّرْقُوْمٌ ہ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ ہ سورۃ المطففین (آیت ۷، ۸، ۹)، اور کَلَّآ اِنَّ کِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِیْ عِلِّیِّیْنَ ہ وَمَا اَدْرٰکَ مَا عِلِّیُّوْنَ کِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ہ یَّشْھَدُہُ الْمُقَرَّبُوْنَ ہ صرف یہی نہیں بلکہ گمراہ لوگ سورۃ اعراف کی یہ آیت بھی پیش کرتے ہیں کہ "ان لوگوں کے لیے جو ہماری آیات جھٹلاتے ہیں اور ان سے استکبار کرتے ہیں آسمان کے دروازے ہرگز نہ کھولے جائیں گے"۔ جواب اس کا یہ ہے کہ یہ قرآن کی ادبیانہ زبان ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے اعمال ان کی دعائیں اور خود ان کی ہرگز پذیرائی نہ ہوگی۔ ایک دلیل کلام المیت علی الجنازۃ کی بھی پیش کی جاتی ہے۔ تو ظاہر ہے کہ یہ مُردہ ہے۔ زندہ تو نہیں بہرحال اس کا بولنا قرآن کے متشابہات کی طرح ہے۔ اور اس حدیث کی اصل تاویل کسی کے پاس نہیں ورنہ اگر کاندھے کے پاس بولے تو اٹھانے والا کیوں نہ سنے گا۔

ہم نے آپ کے مضمون کے پیش کردہ دلائل کا بھی تجزیہ کیا۔ اور ان دلائل کی بھی اصل حقیقت آپ کے سامنے رکھ دی۔ جو اس ذیل میں بارہا پیش کیے جاتے رہے ہیں۔ اب آپ کا فرض ہے کہ یا تو آپ رجوع فرمالیجیے یا پھر ہمیں کتاب و سنت کی روشنی میں مطمئن کرنے کی کوشش کیجیے۔

امام احمد، امام ابن تیمیہ، امام ابن قیم، ابن کثیرؒ، ابن حجر اور ایک جم غفیر ہے۔ جو مُردہ جسم میں قیامت سے پہلے رُوح کے واپس آجانے کا قائل اور اسی دنیاوی قبر میں قیامت تک مُردہ پر عذاب یا راحت کے سارے احوال گزرنے کا اقراری ہے۔ دراصل یہی عقیدہ ان سب بڑوں کو کافر اور مشرک بناتا ہے اور دائرۂ اسلام سے خارج کر دیتا ہے دوسری طرف قرآن اور احادیث صحیحہ اجماع صحابہ امام ابوحنیفہؒ اور امام بخاریؒ ہیں جن کا فیصلہ یہ ہے کہ رُوح بدن سے نکلنے کے بعد مُردہ جسم میں قیامت سے پہلے واپس نہیں آسکتی ہے۔

اور نہ دنیاوی جسم سے اس کا کسی قسم کا تعلق باقی رہتا ہے اور یہ قبر کے مُردے بالکل مُردہ ہیں، ان میں جان کی رمق تک نہیں ہوتی۔

امت کی بدنصیبی ہے کہ آج کیفیتِ عذابِ قبر کے اس عظیم مسئلہ کو فروعی مسئلہ قرار دینے کی کوشش کی جارہی ہے، یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایمان باللہ، ایمان بالکتاب اور ایمان بالرسول کا معاملہ ہے۔ جو بھی یہ عقیدہ رکھے کہ دنیاوی قبر کے مُردے میں رُوح واپس آجاتی ہے۔ اسی کو اٹھا کر بٹھایا جاتا ہے۔ سوال اور جواب ہوتا ہے۔ اور اب اسی پر قیامت تک دنیاوی قبر میں راحت کا دور جاری رہے گا۔ وُہ ایمان سے خالی ہے۔

امید ہے کہ پہلی فرصت میں آپ زحمت فرماتے ہوئے تفصیلی جواب سے مطلع فرمائیں گے۔" والسلام (اشفاق)

اس خط کے لب و لہجہ سے ہٹ کر اگر خالص علمی محاسبہ کیا جائے تو میرے خیال میں اختلافی مسائل صرف دو ہیں۔ جو یہ ہیں:

۱۔ قبر کا صحیح مقام کونسا ہے؟ زمینی گڑھا، جس میں میت کو دفن کیا جاتا ہے یا برزخی قبر۔

۲۔ سماعِ موتیٰ میں کوئی استثناء بھی ہے یا نہیں؟ بالفاظِ دیگر کسی نہ کسی وقت اعادۂ روح کا امکان ہے یا نہیں؟

میں اس بحث میں خاص اختصار پیدا کرنے کی خاطر یہ چاہتا ہوں کہ اس بحث

کو صرف قرآنِ کریم اور بخاری شریف تک محدود رکھوں۔

(۱) مقامِ قبر؟

مقامِ قبر کے متعلق آپ کا نظریہ یہ ہے کہ وُہ مقام، جہاں میت کو عذاب و ثواب ہوتا ہے، یہ زمینی گڑھا نہیں بلکہ کوئی برزخی مقام ہے جسے آپ برزخی قبر کہتے ہیں۔ یا برزخی قبر سے وُہ نیا جسم مراد ہے جو میت کی رُوح کو مرنے کے ساتھ ہی عطا کیا جاتا ہے۔ چونکہ اس نظریہ کا کتاب و سنّت میں کہیں ذکر نہیں۔ صرف استنباطات کے ذریعہ اسے کشید کیا گیا ہے۔ لہٰذا یہ محض ایک نظریہ ہے۔ جو غلط بھی ہو سکتا ہے اور صحیح بھی۔ بخلاف عقیدہ کے کہ اس کی بنیاد قطعی نصوصِ شرعیہ یا بالفاظِ دیگر کتاب و سنّت کے واضح الفاظ پر ہوتی ہے۔ اس کا دوسرا پہلو یہ بھی سامنے رکھیے کہ نظریہ وُہ ہوتا ہے جس کی صحت کو مختلف نتائج یا استنباطات کے ذریعے جانچا جاتا ہے جبکہ عقیدہ وُہ ہوتا ہے جس کی اپنی حیثیت مسلّم اور برقرار ہوتی ہے اور اس سے مختلف نتائج اخذ کیے جاتے ہیں۔

برزخی قبر محض ایک نظریہ ہے!

اب دیکھیے "برزخی قبر" کا ثبوت قرآن یا کسی صحیح حدیث سے ملنا تو درکنار، علمائے متقدمین کی کسی تصنیف میں اس کا ذکر تک نہیں ملتا۔ لہٰذا یہ محض ایک نظریہ ہے، عقیدہ نہیں۔ پھر اس نظریہ کے نہ ماننے کی وجہ سے کسی کو بدعقیدہ، گمراہ یا مشرک و کافر بھی قرار نہیں دیا جا سکتا، جیسا کہ اشفاق صاحب نے مجھے مخاطب کر کے ارشاد فرمایا ہے کہ:

> "دوسرے گمراہ لوگوں کی طرح آپ نے بھی قبر سے مراد یہی گڑھا لیا ہے جو صحیح نہیں۔" (آپ کا خط ص ۱)

اور عجب بات یہ ہے کہ خود اشفاق صاحب کو بھی اس برزخی قبر کے محض ایک نظریہ ہونے کا اعتراف ہے۔ چنانچہ وہ اس خط کے ص ۴ پر لکھتے ہیں:

> "اس کے بجائے اصلی سچائی یعنی برزخ کی قبر مان لیا جائے تو پھر کوئی مسئلہ ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

اشفاق صاحب کے یہ الفاظ ہمارے دعویٰ کا واضح ثبوت ہیں کیونکہ اگر یہ "اصل سچائی" کتاب و سنّت میں مذکور ہوتی تو آپ کو اس کے مان لینے کے لیے ایسی التجا کرنے کی ضرورت

قطعاً پیش نہ آتی۔

پھر اسی خط کے ص ۶ پر یوں رقمطراز ہیں:

"اس تضاد (یعنی اشفاق صاحب کا اپنا ذہنی تضاد، جس کا آگے چل کر جواب دے دیا گیا ہے) کا واحد حل یہی ہے کہ مان لیا جائے کہ ہر روح کو ایک برزخی جسم ملتا ہے اور وہی اس کی برزخی قبر ہوتی ہے۔ عذاب و ثواب کے تمام احوال اسی پر گزرتے ہیں۔ سوال و جواب بھی برزخی جسم اور برزخی قبر کے اندر ہوتا ہے۔"

اشفاق صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر اس "اصل سچائی" کو مان لیا جائے تو پھر کوئی مسئلہ ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حالانکہ اس "اصل سچائی" کو ماننے سے ایک بہت بڑا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب میت کو مرنے کے ساتھ ہی ایک نیا جسم مل گیا، جو کم از کم یوم البعث تک قائم و دائم اور عذاب و ثواب سے دوچار رہے گا۔ تو اس روح اور جسم کے اتصال ہی کا نام تو زندگی ہے۔ آخر یہ مستقل اور دائمی زندگی کہاں سے آ گئی؟ جبکہ قرآن میں صرف دو زندگیوں کا ذکر آیا ہے؟ اسی طرح اس مستقل اور دائمی زندگی میں مسلسل عذاب کا نظریہ بھی درست نہیں۔ قرآن میں تو اس برزخ کے عرصہ میں فرعون اور آلِ فرعون جیسے کافروں کے لیے بھی "اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا" کے الفاظ آتے ہیں جو عذاب کے تسلسل کو ختم کر دیتے ہیں۔ لہٰذا یہ نظریہ صحیح کیسے ہوا؟

برزخی جسم:

اس کے بجائے ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ روح کو کوئی نیا جسم نہیں ملتا۔ بلکہ اس کا اپنا بھی جسم ہوتا ہے۔ فرشتے جب کسی مرنے والے کی روح کو نکالتے ہیں تو یہ روح اپنی جسمیت سمیت مادی جسم کے بند بند سے نکلتی ہے۔ پھر فرشتے اسی جسمیت سمیت روح کو کپڑے میں لپیٹ کر آسمانوں کی طرف لے جاتے ہیں اور روح کا یہ جسم مادی جسم میں اسی طرح پھیلا ہوا ہوتا ہے، جیسے کوئلہ میں جلنے والی گیس یا زیتون کے درخت میں روغنِ زیتون۔ روح کا یہ جسم مرحلہ ۱ میں بھی موجود تھا۔ جب "اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ" کا سوال و جواب ہوا۔ مرحلہ ۲ میں، ۳ میں اور ۴ میں بھی غرض ہر مرحلہ پر روح کا جسم اس کے ساتھ ہی رہتا ہے۔ البتہ مرحلہ ۲ اور ۴ میں اسے ایک اضافی مادی جسم بھی ملتا ہے اور اسی اضافی جسم کی وجہ سے ان ہر دو ادوار کو زندگی کے ادوار سے تعبیر کیا گیا ہے۔ روح کے اسی اپنے جسم کی وجہ سے ہم خواب میں ایک

دوسرے سے متعارف ہوتے ہیں۔ پھر جس طرح روح کا یہی جسم خواب میں رنج و راحت سے دوچار ہوتا ہے، اسی طرح عرصۂ برزخ میں یہی جسم عذاب و ثواب سے دوچار ہوگا۔ روح کے اس جسم کو آپ نیا برزخی جسم کہہ لیں تو یہ آپ کی مرضی ہے۔ ورنہ روح کا اپنا مستقل جسم ہوتا ہے۔ جس کا عرصۂ برزخ سے چنداں تعلق نہیں۔

روح کا یہ جسم سنتا بھی ہے اور بولتا بھی ہے۔ لیکن اس کا یہ بولنا اور سننا ہمارے لیے بے کار ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھیے کہ ایک خواب دیکھنے والا شخص اپنے خواب میں جو کچھ کہتا یا سنتا ہے۔ اس کے پاس بیٹھے ہوئے جاگنے والے شخص کو اس کی گفت و شنید کا مطلق علم نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان دونوں کا عالم بالکل جداگانہ ہوتا ہے۔

پھر جس طرح خواب میں کوئی شخص انتہائی تکلیف، انتہائی انبساط میں ہوتا ہے تو اس کے اثرات بعض دفعہ بستر پر لیٹے ہوئے جسم پر بھی نمودار ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح عرصۂ برزخ میں عذاب و ثواب سے دوچار ہونے والی روح پر جب شدت گزرتی ہے تو اس کے اثرات قبر میں پڑے ہوئے جسم تک بھی نمودار ہو جاتے ہیں۔ اگر یہ جسم موجود ہو تو، ورنہ نہیں۔ گویا استثنائی صورتیں ہیں، مگر ان سے انکار ممکن نہیں۔ عام قانون یہی ہے کہ جس طرح خواب دیکھنے والے شخص کے رنج و راحت سے اس کا بستر پر پڑا ہوا جسم دوچار نہیں ہوتا، اسی طرح عرصۂ برزخ میں روح اور جسم کے جو واردات گزرتے ہیں قبر میں پڑا ہوا جسم اس سے متاثر نہیں ہوتا۔

کیا علیین اور سجین برزخی مقام ہیں؟

اشفاق صاحب اور اسی طرح عثمانی صاحب کا خیال ہے کہ علیین اور سجین برزخی مقامات نہیں بلکہ وہ صرف رجسٹر ہیں جن میں اہل جنت اور اہل النار کے ناموں کا اندراج ہوتا ہے اور اس کی دلیل یہ دی ہے کہ جہاں علیین اور سجین کا ذکر آیا ہے ساتھ ہی "کتابٌ مرقوم" کے الفاظ سے علیین اور سجین کی صفت بیان کی گئی ہے۔ لہذا برزخی مقام دراصل روح کا وہ نیا جسم ہی ہے جو اسے مرنے کے ساتھ ہی عطا کیا جاتا ہے۔

ہمیں اس نظریہ سے بھی اختلاف ہے کیونکہ جہاں کہیں بھی یہ رجسٹر اندراجات ہوں گے وہ کوئی مقام ہی ہوگا۔ پھر جہاں قرآن میں علیین کا ذکر آیا ہے۔ وہاں

"کِتَابٌ مَّرْقُوْمٌ" کے ساتھ "يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ" کے الفاظ بھی موجود ہیں۔ یعنی جس مقام پر اہلِ جنت کا یہ رجسٹر ہے، وہاں مقرب لوگ (مرے ہوئے نیک لوگ، یا مقرب فرشتے) بھی موجود ہوتے ہیں۔ اسی طرح جہاں سجّین کا ذکر آیا ہے وہاں "کِتَابٌ مَّرْقُوْمٌ" کے ساتھ ہی "وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ" کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ یعنی اس اندراج کے دن ہی سے ان جھٹلانے والوں کی ہلاکت کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ اندریں صورتِ حال علّیین اور سجّین مقام نہیں تو اور کیا ہے؟ وہ ایسے مقامات ہیں جہاں صرف اہلِ جنۃ اور اہل النار کے نام ہی درج رجسٹر نہیں کیے جاتے، بلکہ وہی مقام ان روحوں کا اصل مستقر بھی قرار پاتا ہے۔ اور انہی مقامات پر وہ عرصہ برزخ میں عذاب و ثواب سے تا قیامت دوچار ہوتے رہیں گے۔

مقامِ قبر:

میں نے اپنے سابقہ مضمون "مراسلات" میں قبر سے مراد اسی زمینی گڑھا ہونے کے ثبوت میں قرآن و حدیث سے سات دلائل دیے تھے جو یہ ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کو عبداللہ بن ابی منافق کے متعلق خطاب کرتے ہوئے فرمایا، "وَلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ" اب خدارا سچ بتائیے کہ یہاں قبر سے مراد اللہ تعالیٰ نے یہی زمینی گڑھا لیا تھا یا آپ کی مزعومہ برزخی قبر؟ نیز خود رسول اللہ اور آپؐ کے صحابہؓ نے قبر کے لفظ سے یہ زمینی گڑھا مراد لیا تھا یا برزخی قبر؟ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ کو اس منافق کی اس زمینی قبر پر کھڑا ہونے کو کیوں ناپسند کیا تھا؟

۲۔ رسول اللہ کا مقتولین قلیبِ بدر کو وہاں پہنچ کر مخاطب کرنا۔ اگر یہ کنواں ان مشرکین کی حقیقی قبر نہ تھا تو آپؐ وہاں گئے کیوں تھے؟ جہاں پہلے موجود تھے، وہیں سے ان برزخی قبر والوں کو مخاطب کر لیا ہوتا؟

۳۔ رسول اللہ کا جنت البقیع میں جا کر شہدائے احد کے لیے دُعا کرنا اور

۴۔ آپؐ کا قبرستان میں یعنی انہی زمینی گڑھوں کے پاس جا کر مُردوں کو "السلام علیکم" کہنا اور ان کے لیے دُعا کرنا۔ آخر آپ گھر بیٹھے ہی السلام علیکم کیوں نہیں کہہ لیتے؟ کیونکہ ان کا قبرستان سے تو کوئی تعلق ہے نہیں وہ تو برزخی قبروں میں رہتے ہیں۔

۵ تا ۷ ۔ بخاری شریف سے تین احادیث بمعہ متن، ترجمہ اور حوالہ جن سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ "قبر سے مراد یہی زمینی گڑھا ہے"، کو ہی ہم "اصل سچائی" قرار دے سکتے ہیں ۔ اس کے مقابل برزخی قبر کا نظریہ مردود قرار پائے گا۔ اگرچہ ان حضرات کے نزدیک اس کے مزعومہ فوائد کتنے ہی کیوں نہ ہوں ۔

شاخوں والی حدیث کا نیا مطلب :

ان سات دلائل میں سے صرف ایک حدیث کا اشفاق صاحب نے جواب دیا ہے (اور وہ کرتے بھی کیا کہ اس پہلو سے عثمانی صاحب نے صرف ایک ہی حدیث کا جواب لٹریچر میں لکھا تھا) حدیث یہ تھی کہ :

رسول اللہ بمعہ صحابہ کرامؓ دو قبروں کے پاس سے گزرے ۔ جن میں دو میتوں کو عذاب ہو رہا تھا ۔ تو آپؐ نے درخت کی شاخ چیر کر آدھی ایک قبر پر اور دوسری آدھی دوسری قبر پر گاڑ دی ۔ اور صحابہ کرامؓ کے پوچھنے پر آپؐ نے یہ وضاحت فرمائی کہ "جب تک یہ ٹہنیاں سوکھ نہ جائیں شاید ان کا عذاب کچھ ہلکا ہو جائے۔"

اس کے جواب میں آپ نے لکھا ہے :

"اس کا مفہوم یہ ہے کہ جس طرح ایک لیکچر دینے والا اپنی زبان سے ایک مسئلہ بیان کرتا ہے اور تختہ سیاہ پر اس کو لکھتا بھی جاتا ہے تاکہ کان سن کر اور آنکھیں دیکھ کر خوب یاد رکھیں ۔ اسی طرح آپؐ نے شاخیں لگا کر سمجھا دیا ۔ رہا یہ سوال کہ یہ شاخیں دنیاوی قبروں پر کیوں لگائیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ برزخ میں صحابہ کرامؓ کو لے جا کر ان کی اصلی قبروں پر لگانا ناممکن تھا ۔ دراصل یہ بتانا تھا کہ ان قبروں میں جو مردے دفن کئے گئے تھے ان پر یہ حالات گزر رہے ہیں اور یہ نبیؐ کا معجزہ تھا۔"

سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ معجزہ کیا تھا؟ نبیؐ کو بذریعہ وحی ایک بات کی اطلاع ملی تو آپؐ نے یہ اطلاع صحابہ کرامؓ کو بھی دے دی ۔ اس میں معجزہ کی کیا بات ہے؟ انبیاءؑ کی بعثت کا اصل مقصد یہی ہے کہ ہر ایسی بات، جس کا انہیں بذریعہ وحی علم ہوتا ہے، وہ امت کو پہنچا دیتے ہیں ۔ اسی طرح خچر بدکنے کی اصل وجہ بتلانا ۔ یا دھماکہ کی وجہ بتلانا جو انہیں بذریعہ وحی معلوم ہوتی ہیں، انہیں امت کو بتلانا ہی انبیاءؑ کا کام ہوتا ہے ۔ اس میں معجزہ کی جو بات ہے کم از کم ہم تو نہیں سمجھ سکے

معجزہ تو جب ہوتا اگر صحابہ کرامؓ بھی اس عذاب کو ہوتے دیکھتے یا سن لیتے۔ معجزہ ہمیشہ وہ ہوتا ہے جو نبی دوسروں کے سامنے پیش کرتا ہے اور دوسرے لوگ اسے دیکھتے ہیں۔ نبی کے بذریعہ وحی علم کو معجزہ کہنا کیسے درست سمجھا جا سکتا ہے؟

اور یہ تختہ سیاہ والی بات بھی خوب رہی۔ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمینی قبر کو بھی پوری نہیں تو کم از کم آدھی قبر آپ نے بھی تسلیم کر لیا ہے۔ برزخی قبر کا تعلق سننے سنانے سے ہے، لیکن جہاں تک دیکھنے دکھانے اور لکھ کر بتانے کا تعلق ہے تو یہ کام اس زمینی گڑھے والے تختہ سیاہ ہی سے لیا جائے گا۔ پھر اگر بفرضِ تسلیم اس نظریہ برزخی قبر کو مان بھی لیں تو بھی اس سے اتنا تو بہرحال معلوم ہوتا ہے کہ اس برزخی قبر سے اس زمینی گڑھے کا کچھ نہ کچھ تعلق ہے ضرور۔ جہاں جاکر عذاب قبر سے متعلق باتیں سمجھائی جاتی ہیں —— اور یہی کچھ ہم کہتے ہیں!

برزخی قبر کے نظریہ کا استنباط:

اس نظریہ کا استنباط یوں کیا گیا ہے کہ قرآن میں ہے "ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ" یعنی ہر شخص کو مرنے کے بعد قبر ملتی ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگوں کو یہ قبر میسر نہیں آتی۔ کچھ لوگ ڈوب جاتے ہیں انہیں مچھلیاں ہڑپ کر جاتی ہیں۔ بعض دوسروں کو جلا کر راکھ بنا دیا جاتا ہے۔ تو انہیں قبر کہاں ملی؟ جبکہ قرآن یہ بتاتا ہے کہ ہر شخص کو قبر ملتی ہے۔ لہٰذا "ضرورت ایجاد کی ماں ہے" کے تحت برزخی قبر کا نظریہ قائم کیا گیا۔ برزخ کا لفظ بھی قرآنِ کریم میں ایک دو بار آیا ہے اور قبر کا لفظ تو بہت مقامات پر آیا ہے۔ ان دونوں لفظوں کے ملانے سے برزخی قبر کی اصطلاح بن گئی۔ اب اگر یہ نظریہ قرآن و حدیث سے ثابت نہیں ہوتا تو کم از کم الفاظ تو قرآنی ضرور ہیں۔

اور اس نظریہ کو اپنانے کی وجہ یہ بنی کہ یہ حضرات اس سنّتِ الٰہی کہ "مرنے کے بعد اسے قبر دی" میں کسی استثناء کے قائل نہیں۔ حالانکہ جہاں تک میرا مطالعہ ہے کوئی سنّتِ الٰہی ایسی نہیں جس میں استثناء نہ ہو۔ قرآن میں صرف ایک سنّتِ الٰہی کے متعلق چار مقامات پر آیا ہے کہ "فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا .... وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا" اور وہ سنّتِ الٰہی یہ ہے کہ جو قوم بد اعمالیوں

میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ اس پر اللہ کا عذاب ضرور آتا ہے۔ لیکن اس موثق سنت میں بھی اللہ تعالیٰ نے "إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ" فرما کر استثناء کی صورت پیدا کر دی ہے۔

اب دیکھیے سنتِ الٰہی یہ ہے کہ مرنے کے بعد انسان کو قبر ملتی ہے اور اس سے بھی زیادہ مؤثق سنتِ الٰہی یہ ہے کہ موت بھی صرف دو بار ہے۔ اور زندگی بھی دو بار۔ تو پھر جب اس مؤثق سنتِ الٰہی میں استثناء کی صورتیں قرآن سے ثابت ہیں۔ جیسے کہ میں اپنے مقالہ میں وضاحت سے پیش کر چکا ہوں۔ تو اس "مرنے کے بعد قبر ملنے کے" قانون میں استثنائی صورتوں کو تسلیم کرنے میں آخر کیا چیز مانع ہے؛ اور یہ استثنائی صورتیں یہ ہیں کہ کچھ لوگ ڈوب کر مر جاتے ہیں، بعض کو درندے پھاڑ کھاتے ہیں، کچھ دوسروں کو جلا دیا جاتا ہے۔

اس سب کچھ کے باوجود عام اصول یہی ہے کہ مرنے والے کو اللہ تعالیٰ قبر دیتا ہے اور ابتدائے آدمؑ سے انبیاءؑ کی یہی تعلیم رہی ہے کہ مُردوں کو قبر میں دفن کیا جائے۔ اور یہی چیز احترامِ انسانیت ہے۔ پھر اس سلسلہ میں یہ دلیل بھی پیش کی جاتی ہے کہ ہر مرنے والے کو مرنے کے ساتھ ہی عذاب و ثوابِ قبر شروع ہو جاتا ہے اور عذاب و ثواب کے لیے رُوح کے ساتھ جسم ہونا لازمی ہے۔ پھر جن لوگوں کا جسم ہی باقی نہ رہا ہو انہیں عذاب و ثواب کیونکر ہو گا؟ پھر قرآن میں فرعون کے ذکر میں یہ بھی آیا ہے کہ اس کے جسم کو نجات دی جائے گی اور یہ بھی ہے کہ فرعون اور آلِ فرعون سب کو مرنے کے بعد عذاب پر پیش کیا جاتا ہے تو ان کی تطبیق کیسے ممکن ہے؟ لہٰذا ضروری ہے کہ یہ تسلیم کر لیا جائے کہ مرنے کے بعد رُوح کو ایک نیا برزخی جسم ملتا ہے۔ اور یہی جسم اس کی برزخی قبر ہے۔

لیکن ہمارے خیال میں رُوح کو کسی نئے جسم کی ضرورت نہیں۔ رُوح کا اپنا بھی ایک جسم ہے۔ جس کی تفصیل ہم پہلے پیش کر چکے ہیں۔ (باقی)

- خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔
- زرِ تعاون کے خاتمہ کی اطلاع ملنے پر اپنا زرِ سالانہ آئندہ شمارہ کی اشاعت سے قبل بذریعہ منی آرڈر روانہ فرما دیں، ورنہ پھر وی۔ پی کا انتظار فرمائیں! شکریہ! (مینجر)